Al-Raqīm (Research Journal of Islamic Studies)
ISSN: 3006-2225 (Print), 3006-2233 (Online)
Volume 03, Issue 01, January-June 2025.
Open Access at: https://journals.iub.edu.pk/index.php/alraqim/index
Publisher: Department of Islamic Studies, The Islāmia University of Bahāwalpur, Raḥīm Yār Khān Campus, Pakistan
Email: editor.alraqim@iub.edu.pk

عصرِ حاضر میں مسلم علماء کی فکری وسماجی ذمہ داریاں: ایک تحقیقی مطالعہ

Intellectual and Social Responsibilities of Muslim Scholars in the Contemporary Era: A Research Study

Dr. Aisha Sadaf
Visiting Lecturer, Govt Sadiq college Women University Bahawalpur
Email: aasi.ch19@gmail.com

Abstract :

This research study explores the intellectual and social responsibilities of Muslim scholars in the contemporary era, focusing on their role in guiding the Muslim Ummah amidst modern-day challenges. In a rapidly evolving global environment characterized by ideological conflicts, technological advancements, and sociopolitical changes, the ulama (religious scholars) are expected to serve not only as preservers of religious knowledge but also as reformers, educators, and active contributors to societal harmony and development.

The study highlights the historical role of scholars in shaping Islamic thought and society, and then examines how their responsibilities have expanded in response to current issues such as secularism, moral decline, political instability, and youth disconnection from religious values. Using a qualitative methodology based on classical texts, contemporary writings, and case studies, the research aims to provide a comprehensive framework for understanding the dynamic role of scholars today.

Key findings suggest that Muslim scholars must balance tradition with innovation, engage with modern disciplines, promote social justice, and address the spiritual and intellectual needs of diverse communities. The study concludes with recommendations for educational reform, institutional development, and community engagement to empower scholars in fulfilling their roles more effectively.

Key Words: *Responsibilities, Religious Scholars, Muslim society, worth following character, culture, education, reformation, rules of governance, difficulties and problems.*

Al-Raqim Research Journal, Department of Islamic Studies, IUB, RYK Campus is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

لَوۡلَا يَنۡهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالۡأَحۡبَارُ عَنۡ قَوۡلِهِمُ الۡإِثۡمَ وَأَكۡلِهِمُ السُّحۡتَ[1]

"علماء نے ان لوگوں کو گناہوں کی باتوں سے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکا تھا"

اس آیت کریمہ میں لفظ "السحت" کا ترجمہ "حرام" کیا گیا ہے جو کہ اس لفظ کا صحیح مفہوم نہیں ہے اس لفظ کا صحیح مفہوم مکروہ ہے یعنی وہ کمایا ہوا مال ہے جو باہمی احترام کے ضابطوں کو نظر انداز کر کے کمایا گیا ہو۔ کیونکہ ایسی کمائی سے رسول اللہ ﷺ نے اونٹنی کو چارہ ڈالنے اور غلاموں کو کھانا کھلانے کا حکم دیا ہے۔[2]

حدیث رسول ﷺ اور علماء کی ذمہ داریاں

علماء کی معاشرتی ذمہ داریوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

ان شَرَّ الشرِّ شرار العلماء وان خير الخير خيار العلماء[3]

"بروں میں سب سے برے علماء ہیں اور بھلوں میں سب سے بھلے علماء ہیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی معاشرہ اس وقت تک تباہی کا شکار نہیں ہوتا جب تک اس معاشرے کی بقاء کے ضامن (علماء کرام) لغزشوں اور کوتاہیوں کے مجرم نہ ہوں، حدیث نبوی ﷺ کے الفاظ "احذروا زلة العالم"[4] اس بات کا ثبوت ہیں۔

حضرت عمرؓ اور علماء کی ذمہ داریاں

اسی طرح ایک بیان مشکاۃ شریف کے کتاب العلم میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ کسی کو جب کوئی ذمہ داری سونپتے تھے تو اس سے یہ پوچھا کرتے تھے کہ "هل تعلم ما يهدم الاسلام؟" تم جانتے ہو کہ اسلام کیسے تباہ ہوگا؟ تو صحابہ نفی میں جواب دیتے تو حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے "زلة العالم وجدال المنافق في الكتاب و حكم الائمة المضلين"[5] کہ یاد رکھو تین چیزیں معاشرے کو تباہ کرتی ہیں: عالم کی لغزش، قرآن میں منافق آدمی کا بحث کرنا، اور گمراہ لوگوں کا حکمران بن جانا۔ سب سے پہلی تباہی علماء کی وجہ سے آتی ہے بعد کی دو صورتیں پہلی صورت کا نتیجہ ہوتی ہیں، آپؓ نے پہلی صورت "اثم العالم" یا "معصية العالم" نہیں فرمائی بلکہ "زلة العالم" فرمائی ہے اس سے ماشرے پر علماء کے کردار و علم کے اثرات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ہمارے اس زوال کے پس پردہ مسلمان اہلِ علم کی کوتاہیاں برابر شامل ہیں۔

قرآن و حدیث اور حضرت عمرؓ کے مذکورۃ الصدر بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ معاشرے کی فلاح و بہبود اور معاشرے کو نظریاتی بنیاد پر قائم و دائم رکھنے کے سلسلے میں جو حالت پیش آئیں ان کا مقابلہ کرنا یہ سب مسلم علماء کی ذمہ داری ہے جس میں وہ کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرسکتے۔

قرون اولیٰ (دور صحابہؓ و تابعین) کے دور میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مسلم علماء اپنی ذمہ داریاں بخوبی ادا کرتے تھے لہٰذا معاشرہ اپنی ڈگر پر قائم و دائم رہتا تھا۔ علماء امت اگر اپنے حکمرانوں کا احترام کرتے تھے تو دوسری طرف ان کو غلطیوں اور کوتاہیوں پر متنبہ بھی کرتے تھے۔ ایک کتاب "نفحة العرب" کے مؤلف امام مالک کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "خلیفہ منصور نے مجھے (امام مالک) اور ابن طاؤس

کو دربار میں بلایا اور ابن طاؤس سے کہا کہ مجھے نصیحت کرو، اس پر ابن طاؤس نے حدیث بیان کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز اس حکمران کو سب سے زیادہ عذاب ہو گا جس کو اللہ نے اپنے اقتدار کا مظہر بنایا اور اس نے ظلم کیا۔ امام مالک کہتے ہیں کہ میں نے خلیفہ کے تیور سے اندازہ کر لیا کہ طاؤس کی گردن ماردی جائے گی اس لئے میں نے اپنے کپڑے سمیٹ لئے کہ طاؤس کے قتل پر اس کے خون سے خراب نہ ہو جائیں۔ تاہم خلیفہ نے کچھ نہ کہا بلکہ غصے سے ہمارے نکال دئے جانے کا حکم دے دیا۔"[6]

اس سلسلے کی دوسری مثال "ہندوستان کے بادشاہ محمد تغلق (1351ء) کے دماغ میں شیطان نے اجرائے نبوت کا خیال ڈالا اور اس کا اظہار دربار کے عالم مولانا عماد غوری سے کیا جس پر مولانا نے غصے سے فرمایا "گوہ مخور" پاخانہ مت کھا، اس جملے پر قاضی صاحب کی جان لے لی گئی لیکن بادشاہ کو دوبارہ یہ جملہ "اجرائے نبوت" کہنے کہ ہمت نہ ہوئی۔"[7] ان کے علاوہ کون نہیں جانتا کہ ہمارے علماء سلف کی ایک بڑی اکثریت اسی جرم میں مستوجب سزا رہی ہے۔ سعید ابن جبیرؒ (95ھ) کو تیل کے کڑاھے میں حجاج بن یوسف نے ڈالوا کر شہید کر دیا، امام ابو حنیفہؒ (150ھ) کا جنازہ جیل سے اٹھایا گیا، امام مالک (179ھ) نے کندھے تڑوائے، امام احمد بن حنبل (241ھ) نے کوڑے کھائے، امام سرخسی (483ھ) کو 13 سال اندھے کنوئیں میں قید رکھا گیا، مجدد الف ثانی (1034ھ) کو گوالیار کے قلعہ میں قید کیا گیا، نواب نجف علی خان کے حکم سے شاہ ولی اللہ کے پہنچے اتروائے گئے، یہ سب اسی فرض کی ادائیگی کے نتائج تھے یہ لوگ اصلاح اقتدار کے لئے اپنے اپنے ادوار میں اپنا اپنا فرض ادا کرتے رہے، کسی ایک کا بھی مطمع نظر حصول اقتدار یا شرکت اقتدار نہ تھا۔

اس کے علاوہ مذہبی علماء جس حد تک ممکن ہو تا امورِ مملکت کی انجام دہی میں حکمرانوں کے ساتھ تعاون کرتے تھے اس سلسلہ میں صاحب "نفحۃالعرب" نے ایک حکایت "نصیحۃ السلطان ولزوم طاعۃ" کے عنوان سے بیان کی ہے جس میں حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ مجھے بہت زیادہ شریک مشورہ رکھتے تھے اس لئے میرے والد حضرت عباسؓ نے مجھ سے ایک دن فرمایا کہ حضرت عمرؓ تجھے بہت شریک مشورہ رکھتے ہیں اس لئے میں تجھے اس بارے میں چار باتوں کی نصیحت کرتا ہوں۔ ان (خلیفہ) کا راز کسی دوسرے پر ظاہر نہ کرنا، جھوٹ نہ بولنا، نصیحت کی بات ان کے سامنے ضرور کہنا، ان کے سامنے کسی کی غیبت نہ کرنا۔[8] اس روایت سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ خلفاء کی ذاتی زندگیوں کے متعلق کرید کی جاتی اور نہ ہی ان کے کردار کے کسی منفی پہلو کا علم ہونے پر علی الاعلان تبصرے کئے جاتے۔ اور نصیحت کی بات احترام اور تقاضوں کے مطابق خلیفہ سے تنہائی میں کی جاتی۔ آزادی ضمیر کے نعرے کے زور پر ان کے خلاف الزام تراشی اور پر تشدد طریقوں کو ناجائز جانا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ پوری مسلم حکمرانی کی تاریخ میں حکمرانوں کے خلاف ایسے انداز کبھی نہیں دیکھے گئے۔ سیاست کے یہ انداز مغربی جمہوریت کے عطا کردہ ہیں۔

اعلائے کلمۃ اللہ کے فرض کی ادائیگی کے باوجود علماء کرام حکمرانوں سے تعلقات میں کبھی بھی تناؤ پیدا نہ کرتے تھے کیونکہ تعلقات میں تناؤبات کے اثرات پر منفی اثر ڈالتا ہے اسی لئے حکمرانوں کے احکام کی پوری طرح اطاعت کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ ان کا جنازہ جیل سے نکلا تھا، جیل میں ڈالے جانے سے پہلے ان پر یہ پابندی لگائی گئی تھی کہ وہ فتویٰ نہیں دیں گے، انہی دنوں گھر میں کھانا کھاتے ہوئے ان کی صاحبزادی کے دانتوں سے خون نکل آیا۔ باپ سے مسئلہ پوچھا کہ میرا وضو باقی رہا یا نہیں؟ اس پر امام صاحب نے فرمایا کہ بیٹی مجھ پر فتویٰ دینے پر پابندی لگادی گئی ہے اس لئے تم مسئلہ اپنے بھائی سے پوچھ لو۔[9] حجاج بن یوسف (95ھ)

انسانی تاریخ کا ایک ظالم انسان تھا اس کے مزاج کی اس خاصیت سے کسی کو انکار نہیں عمر بن عبد العزیزؒ(101ھ) جیسے خلیفہ بھی اسے سخت ناپسند کرتے تھے اس تمام ترکے باوجود اس کے احترام کا عالم یہ تھا کہ بڑے بڑے صحابہؓ و تابعینؒ اس کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ابتدائی دور کے علماء نے اپنی ذمہ داریاں بخوبی نبھائی ہیں اور حکمرانوں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ عوام الناس کی تعلیم و تربیت بھی جاری رکھی اور ان کی اصلاح کی خاطر کتابیں بھی لکھیں، نظام تعلیم مکمل طور پر ان کے ہاتھ میں ہوتا تھا یہ لوگ نظام تعلیم کو عالمی اور ملکی ضروریات کے مطابق ترتیب دیتے تھے اور حالات کے مطابق اس میں تبدیلی بھی کرتے تھے۔ اسی لئے جب اصول وضوابط کی ضرورت پیش آئی تو اصول حدیث و تفسیر وجود میں لائے گئے استنباط مسائل کے لئے اصول فقہ کی کتب معرض وجود میں آئیں۔ حدیث و تفسیر پر مشتمل کتب وجود میں لائی گئیں اور یہ سب نصاب کا حصہ بنائی جاتی رہیں۔ معاشرتی ضرورت نے فلسفہ یانان کو نصاب کا حصہ بنایا۔ آج بھی اپنے مدارس کے نصاب کا جائزہ لیا جائے تو فلسفہ کے موضوع پر شیخ بو علی سینا(428ھ) کی کتاب "الاشارات والتنبیهات" فلسفہ یونان کی کتاب ہے اور اس کا مصنف شعیہ ہے۔ اسی طرح "الافق المبین" ملا داماد مجلسی کی کتاب ہے یہ بھی شعیہ ہیں۔ ابہری کی کتاب "هدایت الحکمت" کی شرح جو ملا صدر الدین محمد بن ابراہیم شیرازی(1059ھ) جو کہ شیعہ تھے کی تصنیف ہے جو "صدرا" کے نام سے مشہور ہے۔[10] عربی ادب کی اہم ترین کتاب "البیان والتبیین" کا مصنف ابو عثمان عمرو بن بحر (255ھ) نظام معتزلی کا پیروکار تھا متنبیؔ (354ھ) کا دیوان آج تک مدارس کے سلیبس کا حصہ ہے، حالنکہ مصنف نے دعویٰ نبوت کیا تھا۔ ان تمام تفصیلات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے اسلاف تعلیم و تعلم کے میدان میں معاشرتی ضروریات کا کس قدر خیال کرتے تھے جس علم کو معاشرے کی ضرورت سمجھا اسے تعلیم کا حصہ بنالیا۔ آج کے دور میں مدارس کا نصاب تعلیم یوں منجمد ہے کہ کسی بھی جدید علوم کو اس کا حصہ بنانا گناہ سمجھا جاتا ہے۔

مسلمانوں کے اس دور حکومت میں باقاعدہ تنخواہ دار ممبران پر مشتمل اسمبلیاں نہ ہوتی تھیں۔ مسلم علماء قانون سازی کے سلسلے میں بغیر کسی خصوصی مشاہرے کے حدود کے اندر رہتے ہوئے حکمرانوں سے تعاون بھی کرتے تھے۔ امور مملکت میں رہنمائی کی خاطر علماء نے کتب بھی تصنیف کیں۔ امام مالکؒ کی "مؤطا"، امام محمدؒ کی "سیر کبیر و صغیر"، قاضی ابو یوسفؒ کی "کتاب الخراج"، اسی طرح کتاب الاموال لعبد اللہ بن سلامؒ، مسلم ہندوستان میں فتاویٰ عالمگیری، ترکی کے زمانہ خلافت میں "مجلۃ الاحکام العدلیۃ" یہ سب ہمارے علماء کے علم و فن کی ہمہ گیری اور ان کی ذمہ داریوں کا ثبوت ہیں۔ دور زوال میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایک معیاری اور مفید لٹریچر پیدا ہونا ختم ہو گیا تھا، اس دور میں ہمیں وہ لوگ (علماء) نظر نہیں آتے جو مسلم حکمرانوں کو حکمرانی کے آداب پر تنبیہ کرنے یا ان کو سکھانے کے لئے اپنا فریضہ سرانجام دیتے ہوں۔

جیسا کہ نبی ﷺ کو حکم تھا کہ آپؐ نے اسلام کی برتری کو باقی مذاہب پر ثابت کرنا ہے قرآن کریم میں ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِیٓ أَرۡسَلَ رَسُولَهُۥ بِٱلۡهُدَىٰ وَدِینِ ٱلۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهُۥ عَلَى ٱلدِّینِ كُلِّهِۦ وَلَوۡ كَرِهَ ٱلۡمُشۡرِكُونَ[11]

"وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرک نا خوش ہی ہوں۔"

اس مقصد کے لئے اپنے آپ کو اس طرح تیار رکھنا ہے کہ تمہارے دشمنوں پر تمہاری ہیبت باقی رہے اور کسی دشمن کو حملہ کرنے کی جرات نہ ہو سکے۔ جس کے متعلق قرآن کریم میں یوں حکم ہوا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ قَاتِلُواْ الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُواْ فِيكُمْ غِلْظَةً وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ(12)

"اے اہلِ ایمان! اپنے نزدیک کے (رہنے والے) کافروں سے جنگ کرو اور چاہیئے کہ وہ تم میں سختی (یعنی محنت و قوتِ جنگ) معلوم کریں۔ اور جان رکھو کہ خدا پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔"

یہی صورتحال ہندوستان میں بھی ہوئی ابتداء میں جب تک علماء اپنا فرض منصبی سرانجام دیتے رہے اس وقت تک بہترین حکمران بھی منظر پر آتے رہے جن میں چار بڑے حکمرانوں کا شمار ہوتا ہے ایک غیاث الدین بلبن (1287ء)، دوسرا سلطان محمد تغلق (1351ء)، تیسرے مغلیہ شہنشاہ اکبر اعظم (1605ء) اور چوتھے اورنگ زیب عالمگیر (1707ء)۔ اسی ہندوستان میں جب مسلم دورِ زوال آیا تو علماء کسی ذہنی دنیا میں بستے تھے۔ اس بارے میں اورنگ زیب کے دور کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو:

"اورنگ زیب کے منصب سنبھالنے پر ان کے ایک استاد ان کے پاس طلب جاہ کے لئے تشریف لائے جس پر بادشاہ نے ان سے کہا کہ مولانا! کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کو دربار کے اول درجے کے امراء میں داخل کرلوں۔ اگر آپ مجھے کوئی کام کی تعلیم دیتے تو یہ آپ کا حق تھا۔ آپ نے تو ہمیں یہ بتایا کہ فرنگستان، پرتگال اور ہالینڈ کے بادشاہ معمولی بادشاہ ہیں دنیا کے حکمرانوں میں سب سے بڑے مغل بادشاہ ہیں ان کا نام سن کر دنیا کانپتی ہے آپ کا فرض تھا کہ آپ ہمیں قوموں کی خصوصیات سے آگاہ کرتے، ان کی جنگی طاقتوں، ان کے رسوم و رواج کے متعلق بتاتے، مجھے قوموں کی ترقی اور تنزلی کا فلسفہ پڑھاتے۔ آپ کو یہ اندازہ نہ تھا کہ شہزادوں کی تعلیم کے لئے کون سے مضمون درکار ہوتے ہیں، آپ نے صرف و نحو کو میرے لئے ضروری سمجھا۔ آپ نے مجھے وہ فلسفہ پڑھایا جس کا عملی دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے برعکس آپ مجھے وہ علوم سکھاتے جو عقل اور سمجھ کے اصولوں پر دماغ کی تربیت کرتے ہیں، مجھے وہ باتیں بتاتے جن سے حوادث زمانہ کے مقابلے میں انسان اتنا مضبوط ہو جاتا ہے کہ نہ اسے مصائب پریشان کرتے ہیں اور نہ خوشی اور کامیابی سے اس کا دماغ بگڑتا ہے۔ اگر یہ سب کچھ آپ مجھے بتاتے تو مجھ پر آپ کے احسانات سکندر اعظم پر ارسطو کے احسانات سے بڑھ کر ہوتے اور میں آج آپ کی پوری قدر افزائی کرتا۔"(13)

اس تمام تر کے باوجود اپنے دور اقتدار میں مسلمانوں نے اسلام کے معاشرتی ضابطوں کے تعمیلی تقاضوں کو پورا کیا اور عالمی اخوت کا تصور روشناس کرواتے رہے۔ ہندو مسلم بھائیوں کی طرح مل کر رہتے تھے کوئی مذہبی منافرت اور فرقہ بندی نہیں تھی اس سلسلہ میں سلطان الہند ظہیر الدین بابر کی وہ وصیت ملاحظہ ہو جو اس نے مرنے سے پہلے اپنے ولی عہد اور بعد کے مغل حکمران نصیر الدین کو کی تھی جس میں اسے فرقہ بندی اور مذہبی گروہ بندیوں سے دور رہنے اور ہندو لوگوں کے مذہبی جذبات کے احترام کی خاطر گاؤ

کشی سے منع کیا تھا۔[14] اس سلسلہ میں ہند محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کا وہ فرمان بھی بڑا اہم ہے جو انہوں نے ایک درخواست جس میں نظام مالیہ میں سے پارسی مذہب کے لوگوں کو نکالنے کی درخواست کی گئی تھی، پر فیصلہ دیتے ہوئے لکھوایا:

"مذہب کو دنیا کے کاروبار میں دخل نہیں اور نہ ان معاملات میں تعصب کو جگہ مل سکتی ہے، اور اس قول کی تائید میں آپ نے آیت کریمہ "لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ "[15] نقل کی۔"[16]

ہندوستان میں انگریز کے دور اقتدار میں مجموعی طور پر ہمارے علماء کا کردار بلاشبہ ہمارے ماضی کا قابل فخر سرمایہ ہے ہمارے علماء تاجروں کے بھیس میں آنے والے اور پھر ہندوستان کے اقتدار پر قبضہ کرنے والوں کے خلاف ہمیشہ حالت جہاد میں رہے لیکن اسی دور زوال کا جب انتہائی سٹیج آیا تو پھر یہ بھی ہوا کہ مصر پر جب نپولین نے حملہ کیا تو علماء سے پوچھا گیا کہ کیا کیا جائے؟ علماء نے جواب دیا کہ "ختم خواجگان" پڑھ کر دعا کی جائے لہٰذا علماء نے ختم پڑھ کر حکومت بچانے کا تصور پیدا کر دیا بجائے اس کے کہ وہ علماء مذکورۃ الصدر آیت کے حوالے سے یہ بتاتے کہ قرآن کا حکم ہے کہ اپنی ہیبت دشمنوں پر باقی رکھی جائے۔ اگر حکومتوں کی بقاء وارتقاء یا حفاظت کا تعلق ان ختم و درود، ذکر و اذکار سے ہوتا تو رسول ﷺ میدان اُحد میں پتھر کھاتے اور دندانِ مبارک شہید کرواتے اور نہ ہی بھوک پیاس برداشت کرتے، آپ ﷺ اور صحابہ کرام نے اپنے دین اور ملک و قوم کی بقاء کی خاطر جتنی سختیاں برداشت کیں ان کی مثال کہیں اور نہیں ملتی۔ جنگ تبوک میں صحابہ کرام نے اس قدر سختی برداشت کی کہ پینے تک کا پانی میسر نہیں تھا اور انہوں نے اونٹوں کو ذبح کر کر کے ان کے پیٹ سے پانی نکال کر اپنی پیاس بجھائی تھی۔ آپ ﷺ اور صحابہ کرام سے بڑھ کر کوئی اور ذکر و اذکار یا دعائیں کرنے والا ہو سکتا ہے؟ بالکل نہیں۔ ہمارے علماء کی انہی کمیوں اور کوتاہیوں کے نتیجے میں 1914ء کی جنگ میں ہماری خلافت مکمل طور پر ختم ہو گئی، اس وقت مسجدیں بھی آباد تھیں ذکر و فکر بھی ہوتے تھے مگر اصل بات یہ تھی کہ مسلم علماء نے معاشرے کا مطالعہ کر کے حکمرانوں کو رہنما اصول فراہم کرنے بند کر دیئے تھے۔

ترکی میں خلافت کی تباہی کے اسباب میں شریف حسین مکہ کی غداری ہی نہیں بلکہ علماء کا وہ ذہنی جمود تھا جس نے انہیں ان کی ذمہ داریوں کا احساس اور اس کے تقاضے پورے کرنے کی صلاحیت ختم کر دی تھی۔ اسی موضوع پر بات کرتے ہوئے مولانا سعید احمد اکبر آبادی لکھتے ہیں:

"یہ علماء لکیر کے فقیر تھے کسی نئی اصلاح کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے چنانچہ جب سلطان سلیم ثالث (1222ھ) نے اپنی تعلیمی اور فوجی اصلاحات کی اسکیم کو نافذ کرنا چاہا تو شیخ الاسلام عطاء اللہ آفندی نے اس کے خلاف فتویٰ دیا جس کی بنا پر وہ تمام اہلیانِ حکومت قتل کئے جانے لگے جو سلطان کے حامی تھے۔ دو روز تک قتل کا یہ سلسلہ جاری رہا آخر سلطان نے ان حالات سے تنگ آ کر ان اصلاحات کو منسوخ کر دیا۔"[17]

اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ترکی میں خلافت کے زوال کے مجرموں میں سے ایک مذہبی طبقہ بھی تھا۔
انسانی عقل ان اہلِ علم کی حکومت و ملت کی خیر خواہی کی خاطر خلفاء کے ساتھ تعاون کے جذبے کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔
مسلم تاریخ کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ:

1. ہمارے علماء اپنے حکمرانوں کا احترام کرتے تھے۔
2. جذبہ خیر خواہی کے تحت امور مملکت میں پورا پورا تعاون کرتے تھے۔
3. اصلاح احوال ہمیشہ مدِ نظر رکھتے تھے اس مقصد کی خاطر جان تک قربان کر دیتے تھے۔
4. باہمی مسلکی اختلافات میں تشدد کی کوئی جگہ نہ تھی۔
5. تعلیمی نظام کو معاشرے سے ہم آہنگ رکھتے تھے۔

- **موجودہ دور کا مسلم معاشرہ**

قوموں کا زوال کب شروع ہوتا ہے؟ اس بارے میں حتمی طور پر نہ کوئی پیشگوئی کر سکا ہے نہ کوئی قیامت تک کر سکے گا۔ میں سمجھتی ہوں کہ اگر مسلم تاریخ کو دیکھا جائے تو اموی دور تک بلکہ عباسیوں کا دور کا آغاز بھی مسلمانوں کا دور عروج ہے کیونکہ تب تک مسلمانوں کے علماء اپنی ذمہ داریاں ادا کر رہے ہیں اسی لئے معاشرہ ایک ڈگر پر قائم ہے۔ عباسیوں کا دور عروج جو ھارون اور مامون کا دور ہے سے لے کر خطوط بغداد تک کا دور "Static period" ہے یعنی یہاں معاشرہ جامد ہو گیا جس میں تمدن وسیع ہوا، بڑے بڑے شہر وجود میں آئے، سائنسی ایجادات سامنے آئیں، مادی ایجادات نے معاشرے کو پُرامن اور پُرسکون بنا دیا۔ حالانکہ یہ طے شدہ بات ہے کہ سلطنت کی وسعت، پیسے کی فراوانی اور آرام پسندی قوموں کے لئے زہرِ قاتل ثابت ہوا کرتی ہے جو قومیں سادگی، جفاکشی، بلند ہمتی کی بنیاد پر زندگی گزارتی ہیں وہی دنیا پر زمانے میں سُرخرو ہوتی ہیں، قوموں کا سرمایہ ان کی بلند ہمتی اور جفاکشی، ان کے بلند نظریات اور بلند سوچ کا معیار ہوتا ہے۔ حالیہ افغانستان میں جو کچھ ہوا اس نے یہ بات ثابت کر دی کہ دنیا کی دو بڑی سپر پاورز اپنی تمام تر مادی ارتقاء کے باوجود یہاں شکست کھا گئیں اور غریب افغانیوں نے ان کا سارا بھرم توڑ کر رکھ دیا کیونکہ ان کے پاس ایک نظریہ تھا، جفاکشی اور بلند ہمتی تھی اور دوسری طرف آرام پسندی عائد تھی اور اسلحے کے زور پر لڑا جا رہا تھا اسلحہ انسانی ہمتوں کا کبھی بھی توڑ نہیں ہوا کرتا۔ اس دور میں انسانی ہمتیں آہستہ آہستہ عیش و آرام کی زندگی کی عادی ہو کر معاشرے کی بقاء کی خاطر لڑنے کی صلاحیتیں ختم ہونا شروع ہو گئی ہیں۔ بعد ازاں جستہ جستہ ہمیں مسلمانوں کی فتوحات کے واقعات ملتے ہیں مگر مجموعی طور پر معاشرے کا مطالعہ کیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ مادی ترقی کے رجحان نے قوم میں فکری اور عملی سست روی پیدا کر دی تھی چنانچہ اسی سست روی کے نتیجے میں ہمیں وہ برا دن دیکھنا پڑا جسے ہم سقوط بغداد کہتے ہیں، جس کے نتیجے میں ہم اپنی تمام دولت و ثروت، بلند و بالا عمارتیں، خوبصورت شہر ہلاکو خان کے ایک حملے میں ہاتھوں سے گنوا بیٹھے اور اس کا مقابلہ نہ کر سکے اس لئے کہ قوم اب اس ہمت اور حوصلے سے خالی ہو چکی تھیں جو لڑنے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

ہمارے اسلاف جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے نظام تعلیم کو معاشرتی ضروریات کے مطابق رکھتے تھے اور اس ضرورت کے تحت وقت کے ساتھ ساتھ نظام تعلیم میں مناسب تبدیلیاں کرتے رہتے تھے۔ بصد احترام ہمارے مدارس کا نظام تعلیم آج مسلم امت کی فکری ضروریات اور اس کے مسائل کے حل کے ادراک سے تہی دامن ہیں۔ اب یہاں نباض زمانہ نہیں بلکہ صرف مساجد کے امام اور مؤذن پیدا ہوتے ہیں جو کسی مسجد میں مسجد کے آقاؤں (مسجد کمیٹیوں) کے ذیلی غلام کی حیثیت سے اپنے فرائض ادا کرتے ہیں۔ اس کے لئے مدارس کے نظام تعلیم سے منطق و فلسفہ کی سور و کلیات اور تصدیقات و تصورات کے مباحث ختم کر کے امت کے تحفظ

کے تصورات و تصدیقات پر کام کرنا اور اس بارے میں نئے فکر و فلسفہ کے سور و کلیات جنم دینا ضروری ہے۔ اس کے لئے مطالعہ مذاہب کا فلسفہ اور عالمی سیاسی و معاشی جوڑ توڑ کا جاننا ضروری ہے دشمن کو فکری شکست دینے کے لئے دشمن کے کلچر اور زبان کا مطالعہ از بس ضروری ہے ۔ مسلم دنیا کو مولانا عبید اللہ سندھی، تقی امینی، ابو الحسن علی ندوی اور سید ابو الاعلیٰ مودودی جیسے لوگ اور "مغربی الحاد کا تاریخی پس منظر"، "عروج و زوال کا الٰہی نظام"، "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کے اثرات" اور "تفہیمات" جیسی کتب کی کل کے مقابلے میں آج زیادہ ضرورت ہے۔ اس بارے میں اورنگزیب عالمگیر کا اپنے علماء سے شکوہ بیان کر آئے ہیں کہ قومیں حکومتی اثرات سے آزاد اور ملک و ملت کے جغرافیائی اور نظریاتی مسائل سے ہم آہنگ نظام تعلیم کے زیرِ جوان ہوا کرتی ہیں۔ اسلاف کے طرزِ فکر کی طرح کچھ علوم آج مدارس کا حصہ بننا چاہئیں۔ حکمرانوں کا مسلط کردہ جبریہ نظام تعلیم جو کسی فکر و استقلال سے محروم ہو قوم کو جنم نہیں دے سکے گا۔

آنجناب ﷺ امت محمدیہ کو تشکیل دینے کے بعد امت کو قیادت تک پیش آنے والے حادثات وواقعات بھی بیان کر کے اور ان کے تدارک کا طریقہ کار بھی بتا کر گئے تھے جن کو ہمارے اسلاف نے "کتاب الملاحم" "کتاب الفتن" اور "اشراط الساعۃ" کے عناوین سے حدیث کی کتب میں جمع کر دیا ہے۔ ان ابواب کی تفہیم ماضی کے مقابلے میں آج زیادہ ضروری ہے۔

اس وقت وطنِ عزیز کو دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کیونکہ ملک کے چاروں اطراف کے ممالک میں امریکہ کے خلاف جذبات بھڑکے ہوئے، افغانستان میں افغانیوں نے پاکستان کی بقاء کی جنگ لڑی ہے، کشمیر میں کشمیری پاکستان کی بقاء کی خاطر جانیں قربان کر رہے ہیں، ایران میں بھی امریکہ کے خلاف جذبات پروان چڑھ رہے ہیں اس علاقے کی سپر پاور رشیا، چائنہ، ہندوستان وہ بھی امریکہ کے خلاف ہیں ۔ اس صورت حال میں ایک ہم ہیں کہ اس خطے میں امریکی مفادات کا تحفظ کرنے پر تلُے ہوئے ہیں۔ ہمارے 26 فوجی افسر امریکہ نے مار دیئے ہم نے کوئی پرواہ نہیں کی، ہمارا ملک دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اس کی وجہ جاننے میں ہم نے کوئی تحقیق نہیں کی، اسامہ بن لادن کو گرفتار کرنے کا ڈرامہ ہمارے ملک میں رچایا گیا اس پر بھی ہمارے علماء نے کوئی تحقیق نہیں کی، نظام قانون ملک میں انصاف قائم نہیں کرتا طاقتور مجرموں کو آرام سے چھوڑ دیتا ہے، پولیس اپنی مرضی سے بندے مار دیتی ہے کوئی ان کو پوچھنے والا نہیں ہے، آئے دن زینب، نور جیسی سینکڑوں معصوم بچیوں کو ہوس کا نشانہ بنا کر قتل کر دیا جاتا ہے، کوئی ان کو سزا دینے والا نہیں ہے، ان سب پر گرفت کرنا علماء کی ذمہ داری تھی جب ان پر آواز اٹھانے والے علماء اپنی ہی سیاست کے چسکوں میں پڑ کر دھرنوں میں مشغول ہیں، اسلام کا بنیادی قائدہ و کلیہ کہ Writ of the State متاثر نہیں ہونی چاہئے لیکن ہمارے علماء اور حکماء کی انہی حرکتوں کی وجہ سے ہی ہمارا ملک بدنام ہے۔ آج ہم دوسرے ممالک میں پاکستانی ہونے کی حیثیت سے برے سمجھے جاتے ہیں، اس سے بڑھ کر Writ of State کی اور کیا نشاندہی ہو سکتی ہے کہ پاکستان کا لفظ ہی ایک کرپٹ ملک کی نشاندہی کرتا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس ملک میں ہو رہا ہے جو کلمے کے نام پر حاصل کیا اور جس میں ہزاروں مدارس ہیں اور سینکڑوں میں بخاری اور بیضاوی پڑھائی جاتی ہے ۔ کیا علماء کی یہی ذمہ داریاں تھیں کہ بخاری اور بیضاوی پڑھائیں اور مملکت کی پرواہ نہ کریں؟ مسلم علماء کی ذمہ داریاں تھیں کہ اپنے کردار و عمل سے حکمرانوں کو حکومت کی رِٹ، ریاست کی رِٹ، مذہب کی رِٹ کا سبق پڑھا کر ان کو انسانیت کے تحفظ کے لئے اکساتے ایسا بالکل نہیں ہو رہا۔ اس سب کے بنیادی ذمہ دار ہمارے

مسلم علماء ہیں۔ میں ان سب کا احترام کرتی ہوں یہ سب نیک لوگ ہیں، ذکر و فکر کرتے اور سکھاتے ہیں، بخاری و بیضاوی پڑھتے اور پڑھاتے ہیں لیکن ایسے ذکر و فکر، بخاری و بیضاوی کے سبق کو کیا کیا جائے جو قرآن کے بنیادی تصور کہ دین کو سربلند ہونا چاہئے اس کی سربلندی میں افادیت کا کوئی سامان مہیانہ کر سکے۔

ملک میں مندرجہ بالا تمام صورت حال کا ذمہ دار سیاسی طبقہ سے زیادہ مذہبی طبقہ ہے ۔آئین کی شق 62 بعنوان (Qualification for membership of Majlis a shoora) پارلیمنٹ کو بد کرداروں سے پاک رکھنے کے لئے ہی ہے۔اس کے تقاضے بجالانا، آئین و قانون کا تحفظ کرنا، اس پر عمل درآمد کرانا سیاست دانوں سے زیادہ ہمارے علماء کرام کا کام ہے ہمارے اسلاف اس فرض کی خاطر افضل الجہاد کرتے ہوئے موت کو سینے سے لگاتے، جیلوں میں جاتے اور کوڑے کھاتے رہے ہیں۔اس طرزِ عمل سے ہٹ کر ایسا سیاسی لائحہ عمل پسند کرنا جس کی شریعت اجازت نہ دیتی ہو اور جو ہمارے اسلاف کے طرزِ عمل کے خلاف ہو، کے بارے میں قیامت کے روز اللہ کے حضور کیا جواب دیا جائے گا؟ اس کے لئے اسلاف کا وہی طریقہ مشعلِ راہ ہونا چاہئے تھا اور وہ تھا اصلاح اقتدار نہ کہ حصول اقتدار۔اس اصلاح اقتدار کے لئے افضل الجہاد کے ساتھ ساتھ اربابِ سیاست کے ساتھ رضائے الٰہی کی خاطر (نہ کہ مادی مفادات کی خاطر) تعاون ہمارے سب مسائل حل کر سکتا ہے۔یہ بات یاد رکھیں کہ مسلم تاریخ میں علماء نے ہی حاکموں اور معاشروں کی اصلاح کی ہے، حاکموں اور معاشرں نے علماء کی اصلاح نہیں کی۔

ہمارے وطنِ عزیز کی اس وقت عالم میں جو جگ ہنسائی ہو رہی ہے اس تمام تر کے مجرم بھی ہمارے مذہبی علماء ہیں ان کے جرائم کا خلاصہ درج ذیل ہیں:

1. ماضی میں ہمارے علماء حالات و واقعات پر پوری نظر رکھتے تھے اور اقتدار سے باہر رہ کر بھی مقتدرہ کو فکری اور عملی طور پر راہ راست پر رکھتے تھے۔بر صغیر ہی کو لیجئے مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ، مولانا محمود الحسن کا کردار اس کی بین مثال ہیں۔جبکہ آج کی صورت حال یہ ہے کہ ملک میں خلفشار ہے، بیرون ملک کشمیریوں اور عربوں کا خون انتہائی ارزاں ہے، مکمل یروشیلم پر اسرائیل کا قبضہ تسلیم کر لیا گیا ہے۔انسانیت کو جگانے والوں کے خلاف پوری دنیا کے مسلم علماء خواب و خرگوش کے مزے لے رہے ہیں۔
2. ہمارے اسلاف علماء اقتدار سے دور رہ کر اور مالی مفادات سے بالاتر ہو کر امت اور مملکت کے تحفظ کا سوچا کرتے تھے، اب خود علماء اپنی ذمہ داریاں بھول کر اقتدار سے ہم آغوش ہونا چاہتے ہیں۔
3. قوموں کی بنیاد نظریات پر ہوتی ہے اور نظریے کا تحفظ صرف اور صرف علماء کی ذمہ داری ہوتا ہے ۔ میانمار، روہنگیا، صومالیہ، افغانستان، کشمیر اور فلسطین میں خونِ مسلم کی ارزانی کا مداوا علماء کی تحریروں اور تقریروں میں ہے ۔ہمارے سیاستدان ان مسائل کو سیاسی سمجھتے ہیں جبکہ فرمان نبوی ہے: ”اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ "کفر ایک ملت ہے"[18] کے تحت یہ تمام مسائل مذہبی ہیں یہ سوچ پیدا کرنا علماء کا فرض ہے۔
4. پوری دنیا میں "پاکستانی ہونا" ایک جرم ہونے کے مترادف ہو گیا ہے۔ ریاست کی عصمت کا تحفظ ایک مذہبی فریضہ ہے۔ یہاں چند مقتدرہ کے جرائم نے وطن عزیز کو بدنام کر دیا ہے اس کا تدارک علماء ہی ہیں۔

حوالہ جات

[1] ۔القرآن،63:5

Al-Qur'ān, 5:63

[2] ۔امام راغب، اصفہانی، "مفردات القرآن" (لاہور: شیخ شمس الحق کشمیر بلاک، س۔ن)، 1/488۔

Imām Rāghib, Isfahānī, "Mufradāt al-Qur'ān" (Lāhaur: Shaykh Shams al-Ḥaqq, Kashmir Block, S.N.), 1/488.

[3] ۔خطیب، ولی الدین، ابو عبد اللہ (748ھ)، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثالث، حدیث:62۔

Khaṭīb, Walī al-Dīn, Abū ʿAbd Allāh (748 AH), Mishkāt al-Maṣābīḥ, Kitāb al-ʿIlm, al-Faṣl al-Thālith, Ḥadīth: 62.

[4] ۔الشیبانی، محمد بن الحسن، امام (189ھ)، الجامع الصغیر (مصر: الجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ، 1356ھ)، 1/9۔

Al-Shaybānī, Muḥammad bin al-Ḥasan, Imām (189 AH), al-Jāmiʿ al-Ṣaghīr (Miṣr: al-Jannah Iḥyāʾ al-Maʿārif al-Nuʿmānīyah, 1356 AH), 1/9.

[5] ۔مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثالث، حدیث:64۔

Mishkāt al-Maṣābīḥ, Kitāb al-ʿIlm, al-Faṣl al-Thālith, Ḥadīth: 64.

[6] ۔اعزاز علی، مولانا، نفحۃ العرب، مع حاشیہ تشفی العلیل، تروی الغلیل، (ملتان: مکتبہ امدادیہ، س۔ن)، 19۔

Iʿzāz ʿAlī, Maulānā, Nafḥat al-ʿArab, maʿ Ḥāshiyah Tashfī al-ʿAlīl, Tarwī al-Ghalīl, (Multān: Maktabah Imdādiyyah, S.N.), 19.

[7] ۔محمد سلیم، سید، پروفیسر، مثالی مسلمان اساتذہ اور مثالی طلبہ لاہور: ادارہ تعلیمی تحقیق، تنظیم اساتذہ، پاکستان)، 57۔

Muḥammad Salīm, Sayyid, Professor, Mithālī Musalmān Asātidhah aur Mithālī Ṭullāb (Lāhaur: Idārah Taʿlīmī Taḥqīq, Tanẓīm Asātidhah, Pākistān), 57.

[8] ۔نفحۃ العرب، مع حاشیہ تشفی العلیل، 91۔

Nafḥat al-ʿArab, maʿ Ḥāshiyah Tashfī al-ʿAlīl, 91.

[9] ۔ابن عبد البر، یوسف بن عبد البر، امام (463ء) الانتقاء فی فضائل الائمۃ الثلاثۃ (کراچی: المکتبۃ الغفوریہ العاصمیہ، چشتیہ روڈ)، 321۔

Ibn ʿAbd al-Barr, Yūsuf bin ʿAbd al-Barr, Imām (463 AH), al-Intiqāʾ fī Faḍāʾil al-Aʾimmah al-Thalāthah (Karāchī: al-Maktabah al-Ghafūriyyah al-ʿĀṣimiyyah, Chishtiyyah Road), 321.

[10] ۔محمد حنیف گنگوہی، مولانا، ظفر المحصلین باحوال المصنفین (کراچی: میر محمد کتب خانہ آرام باغ، س۔ن)، 372۔

Muḥammad Ḥanīf Gangohī, Maulānā, Ẓafar al-Muḥaṣṣilīn bā Aḥwāl al-Muṣannifīn (Karāchī: Mīr Muḥammad Kutub Khānah Ārām Bāgh, S.N.), 372.

[11] ۔القرآن،33:9

Al-Qur'ān, 9:33

[12] ۔القرآن،123:9

Al-Qur'ān,9:123

[13] ۔محمد اکرم، شیخ، "رودِ کوثر" (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ)، 464۔

Muḥammad Akram, Shaykh, "Rūd-e-Kawthar" (Lāhaur: Idārah-yi Saqāfat-e-Islāmiyyah), 464.

[14] ۔ایضاً، 23۔

Ibid. 23.

[15] ۔القرآن6:109

Al-Qur'ān, 109:6

[16] ۔ حسین احمد مدنی مولانا، "برطانوی سامراج نے ہمیں کیسے لوٹا" (لاہور: مکی دارالکتب، غزنی سٹریٹ)، 53۔

Ḥusayn Aḥmad Madnī, Maulānā, "Bartānawī Sāmirāj ne Hamen Kaise Lūṭā" (Lāhaur: Makkī Dār al-Kutub, Ghaznī Street), 53.

[17] ۔ اکبر آبادی، سعید احمد، مولانا، "مسلمانوں کا عروج وزوال "(لاہور: ادارہ اسلامیات، 19، انار کلی)، 162۔

Akbar Ābādī, Saʿīd Aḥmad, Maulānā, "Musalmānon kā ʿUroj o Zawāl" (Lāhaur: Idārah Islāmiyyāt, 19, Anār Kalī), 162.

[18] ۔ ابوالبرکات (710ھ)، عبداللہ بن محمود النسفی، "مدارک التنزیل"، المائدہ، تحت الآیۃ: 51۔

Abū al-Barakāt (710 AH), ʿAbd Allāh bin Maḥmūd al-Nasafī, "Madārik al-Tanzīl", al-Māʾidah, taḥta al-Āyah: 51.